علامہ فضل حق خیرآبادی

ڈاکٹر ثریا ڈار

علامہ فضل حق خیرآبادی جادۂ آزادی کے رہبر و مجاہد اعظم ، علمی و ادبی کمالات میں مسلم الثبوت اور عزم و ثبات کے پیکر تھے ۔ بلند پایہ محقق ، اور ادبی دُنیا میں ممتاز مقام رکھتے تھے ۔ آپ ۱۲۱۲ھ ۔ ۱۷۹۷ء میں اپنے آبائی وطن خیرالبلاد خیرآباد میں پیدا ہوئے ۔ آپ کے جلیل القدر والد گرامی جناب فضل امام خیر آبادی دارالسلطنت دھلی میں صدر الصدور کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے ۔

علامہ فضل حق خیرآبادی کا سلسلہ نسب خلیفہ ثانی امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ھے ۔ „باغی ھندوستان „ میں آپ کا شجرہ نسب یوں بیان کیا گیا ھے :

„ علامہ فضل حق بن مولانا فضل امام بن شیخ محمد ارشد ھرگامی بن حافظ محمد صالح بن ملاّ عبدالواجد بن عبدالماجد بن قاضی صدر الدین بن قاضی اسمعیل ھرگامی بن قاضی عماد الدین بدایونی بن شیخ ارزانی بن شیخ منور بن شیخ خطیرالملک بن شیخ سالار بن شیخ وجیہ الملک بن شیخ بہاء الدین بن شیر ملک شاہ ایرانی بن شاہ عطاء الملک بن ملک

بادشاہ بن ابو الفتح ملک بن محمد عمر حاکم ملک بن عادل ملک بن فاروقی بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن محمد عثمان بن ماھان بن ھمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفآن بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ ،،(۱)

علامہ فضل حق خیر آبادی کے اسلاف ایران کے ایک حصے پر کافی عرصہ تک حکمران رہے ۔ گردش ایام کے باعث حکمرانی سے دست بردار ہونا پڑا بعد ازاں علمی خدمات کو خاندانی شعار بنا لیا ۔ آپ کے مورث اعلی شیرالملک بن شاہ عطاء الملک کے دو صاحبزادوں بہاء الدین اور شمس الدین نے علوم و فنون میں بلند مقام حاصل کیا ۔ ظاہری و باطنی علوم میں کامل دونوں بزرگ ایران سے ہندوستان وارد ہوئے ۔ فضل و کمال میں اعلی مقام رکھنے کے باعث بہاء الدین قبۃ الاسلام بدایوں میں قاضی اور شمس الدین رھتک کے مفتی اعظم مقرر ہوئے ۔ مفتی شمس الدین کے صاحبزادے ملاّ کمال الدین کے نامور پوتے شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم دھلوی تھے اور بہاء الدین کے صاحبزادے وجیہ الملک کے پوتے شیخ ارزانی بدایوں میں رہے ، پھر شیخ ارزانی نے اپنے بیٹے عماد الدین کو تحصیل علم کی خاطر قاضی ھرگام کی خدمت اقدس میں بھیجا ۔ قاضی ھرگام آپ کے علم و فضل ، شرافت و نجابت اور ذاتی وجاھت و حسن اخلاق کے باعث بہت متاثر ہوئے اور اپنی دختر نیک اختر سے عقد کر کے آپ کو اپنی فرزندی میں لے لیا ۔ قاضی صاحب موصوف کے انتقال کے بعد آپ

هرگام کے قاضی بن گئے ۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹے قاضی اسمعیل اور پوتے قاضی صدرالدین بھی ہرگام کے قاضی رہے ۔ قاضی صدر الدین کے بیٹے عبدالماجد اور پوتے عبدالواجد بھی اپنے عہد کے فاضل اجل تھے ۔ ملاّ عبدالواجد کے صاحبزادے اور علاّمہ فضل حق خیرآبادی کے پردادا حافظ محمد صالح ، محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں منصب جلیلہ پر فائز تھے ۔ حافظ صاحب کے بیٹے اور علامہ فضل حق خیرآبادی کے دادا شیخ محمد ارشد ہرگامی ، ہرگام کو چھوڑ کر خیرآباد (ضلع سیتاپور اودھ) میں سکونت پذیر ہوئے ۔ علامہ صاحب کے والد محترم فضل امام خیرآبادی صدر الصدور دھلی تھے ۔

مولانا فضل حق خیرآبادی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی ۔ اس دور کے دوسرے طلبہ کی طرح ایک طرف تو علم معقول کی تحصیل کے لیے اپنے والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تو دوسری طرف علم منقول یعنی حدیث ، فقہ اور تفسیر وغیرہ کے لیے شاہ عبدالعزیز . محدث دھلوی اور شاہ عبدالقادر محدث دھلوی کی خدمت میں زانوئے تلمذتہ کرتے ۔ علامہ صاحب نے آٹھ برس کی عمر میں صرف و نحو کی طرف توجہ مبذول کی ۔ قوی الحافظہ اورذھین وفطین ہونے کے باعث چار ماہ کی قلیل مدت میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور تیرہ برس کی عمر میں تمام مروّجہ علوم عقلیہ و نقلیہ سے فراغت حاصل کی ۔

آپ نسباً فاروقی ، فقہی لحاظ سے حنفی اور ، عقائد میں ماتریدی تھے آپ نے سلسلہ چشتیہ میں حضرت شاہ دھومن دھلوی

کے ہاتھ پر بیعت کی ۔ اسلیے مولوی رحمان علی „ تذکرہ علمائے ہند „ میں انھیں „ عمری ، حنفی ، ماتریدی ، چشتی لکھتے ھیں „ (۲)

رئیس زادہ ہونے کے باعث علامہ فضل حق خیرآبادی مفتی صدر الدین آزردہ دھلوی کی معیت میں ھاتھی پر سوار ھو کر تحصیل علم کے لیے شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ھوتے ۔ „ مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صدر الدین صاحب جس روز خود کتاب لے کر جاتے ، اس روز شاہ عبدالقادر سبق پڑھاتے تھے اور جس روز خدمت گار کتاب ساتھ لے کر پہنچتا ، اس روز کشف سے مطلع ھو کر سبق نہ پڑھاتے „ (۳)

اس سے یہ معلوم ھوتا ھے کہ تعلیم کے ساتھ اس دربار میں تربیت ، علم کی عظمت اور استاد کی عزت و احترام کے طریقے بھی سکھائے جاتے تھے ۔ اسی طرح „ امیر الروایات „ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی فرماتے ھیں کہ „ مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صدر الدین یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس خاندان کے لوگ علوم دینیہ جیسے حدیث ، تفسیر اور فقہ وغیرھم خوب جانتے ھیں مگر معقولات نہیں جانتے ، چنانچہ ایک روز جس وقت پڑھنے جا رھے تھے ابھی وہ شاہ صاحب تک پہنچے بھی نہ تھے کہ شاہ صاحب نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ ایک بوریا مسجد سے باھر ڈال دو اور ایک مسجد کے اندر اور جب فضل حق اور صدر الدین آئیں تو ان کو وھیں بٹھا دو ۔ بوریے حسب الحکم بچھا دیے گئے اور جب وہ دونوں آگئے تو ان کو وھیں بٹھا دیا گیا ۔ جب ان کے آنے کی شاہ صاحب کو اطلاع ھوئی تو شاہ صاحب تشریف لائے اور آ کر اپنے بوریے پر بیٹھ

گئے اور فرمایا کہ میاں فضل حق اور میاں صدر الدین آج سبق پڑھانے کو تو جی نہیں چاھتا ۔ یوں جی چاھتا ھے کہ کچھ معقولیوں کی خرافات میں گفتگو ھو ۔ انھوں نے فرمایا کہ جیسے حضرت کی خوشی ھو ۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ متکلمین کا کونسا مسئلہ ایسا ھے جو فلاسفہ کے مقابلے میں بہت ھی کمزور ھو۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت متکلمین کے تو اکثر مسائل کمزور ھی ھیں مگر فلاں مسئلہ تو بہت ھی کمزور ھے ۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا تم فلاسفہ کا مسئلہ لو اور ھم متکلمین کا ، اور گفتگو کریں ۔ انھوں نے عرض کیا کہ بہت اچھا ۔ اس پر گفتگو ھوئی اور شاہ صاحب نے دونوں کو عاجز کر دیا ۔ اس کے بعد فرمایا کہ اچھا اب بتلاؤ ، فلاسفہ کا کونسا مسئلہ سب سے زیادہ کمزور ھے ۔ اس پر انھوں نے عرض کیا کہ فلاں مسئلہ بہت کمزور ھے ۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا اب تم متکلمین کا پہلو لو اور ھم فلاسفہ کا ، چنانچہ ایسا ھی کیا گیا اور شاہ صاحب نے اب بھی ان کو چلنے نہیں دیا ۔ جب ھر طرح سے ان کو مغلوب کر دیا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں فضل حق اور میاں صدر الدین تم یہ نہ سمجھو کہ ھمیں معقول نہیں آتی بلکہ ھم نے ان کو ناقص اور واھیات سمجھ کر چھوڑ دیا ھے مگر انھوں نے ھمیں اب تک نہیں چھوڑا وہ ابھی تک ھماری قدم بوسی کئے جاتے ھیں ،، (۴)

علامہ فضل حق خیرآبادی نے تیرہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ھونے کے بعد اس دور کے دستور کے مطابق والد محترم

کے ارشاد پر درس و تدریس کا سلسلہ شـروع کیا ۔ مولانا فضل امام کی خدمت میں حاضر ہونے والے طلبـہ کو عـلامـہ فضـل حـق خیرآبادی ہی درس دیا کرتے تھے ۔ مولانا سید غوث علی شاہ پانی پتی سے منقول ہے کہ ,, مولوی فضل امام نے ایک طالب عـلم سے فرمایا کہ میاں جـاؤ ، فضل حق سے سبق پڑھـ لـو ۔ وہ آیا ۔ غریب آدمی بدصورت بڑی عمر کا ، کم عـلم ، کند ذہن تھا ۔ یہ نازک طبع ، ناز پروردہ ، جمال صورت و معنی سے آراستہ چودہ برس کا سن وسال ، نئی فضیلت ، ذہـن میں جودت ، بھـلا میل ملے تو کیسے ملے ، صبحت راس آئے تو کیونکـر آئے ، تھوڑا سبق پڑھایا تھا کہ بگڑ گئے فوراً اس کی کتاب پھینک دی اور برا بھلا کہہ کر نکال دیا ۔ وہ روتا ہوا مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا حال بیان کیا ۔ فرمایا ، بلاؤ اس خبیث کو ۔ عـلامہ فضل حق صاحب آئے اور دست بستہ کھڑے ہو گئے ۔ مولانا نے ایک تھپڑ مارا ایسے زور سے کہ دستار فضیلت دور جا پڑی ۔ پھر فرمانے لگے ۔ ,, کہ تو تمام عمـر بسم اللہ کے گنبد میں رہا ۔ ناز و نعم سے پرورش پائی ۔ جس کے سامنے کتاب رکھی ، اس نے خاطر داری سے پڑھایا ۔ طالب عـلموں کی قدر و منزلت کو تو کیا جانے ۔ اگر مسافت کرتا ، بھیک مانگتا اور طالب عـلم بنتا تو حقیقت معلوم ہوتی ۔ ارے ، طالب عـلمی کی قدر ہم سے پوچھـ ۔ خبردار ، تم جانو گے اگر آئیندہ ہمارے طالب علموں سے کچھـ کہا ،، (۵) علامہ صاحب چپ کھڑے روتے رہے اور کچھـ دم نہ مـارا ۔ آخـر غصہ رفـع ہـوا ۔ اس کے بعد علامہ فضـل حق صاحب طالب علموں سے ہمیشہ شفقت و محبت اور دلجوئی سے پیش آتے ۔

علامه صاحب علوم عربی میں مہارت تامه رکھنے کے ساتھ ساتھ درسی مضامین ریاضی ، منطق اور ہیئت کے ایک ایسے بحر زخار تھے که استفاده کرنے والے ہمیشه مطمئن لوٹتے تھے » « باغی ہندوستان » میں آپ کی ذہانت کی ایک روشن مثال موجود ہے که «شاه عبدالعزیز محدث دہلوی نے جب ردشیعه میں « تحفه اثنا عشریه » محققانه انداز میں تحریر فرمائی تو شیعان ہند کی طرح اہل تشیع ایران میں بھی ہیجان پیدا ہوا ـ ایران سے میر باقر داماد «صاحب افق المبین » کے خاندان کا متبحر عالم اور مجتہد ، اونٹوں پر کتب فریقین لاد کر شاه صاحب سے مناظره کے لیے دہلی پہنچا ـ خانقاه میں داخل ہونے پر شاه صاحب نے فرائض میزبانی ادا فرماتے ہوئے قیام کے لیے مناسب جگه تجویز فرما کر رخت سفر رکھوایا ـ شام کو فضل حق حاضر ہوئے تو شاه صاحب کو مصروف مہمان نوازی دیکھ کر کیفیت معلوم کی ـ تھوڑی دیر حاضر خدمت ره کر بعد مغرب مجتہد صاحب کی خدمت میں پہنچے ـ مزاج پرسی کے بعد کچھ علمی گفتگو کا سلسله شروع کر دیا ـ مجتہد صاحب نے پھر پوچھا « میاں صاحبزادے کیا پڑھتے ہو ؟ عرض کیا ، شرح اشارات ، شفا اور افق المبین وغیرہم دیکھتا ہوں ـ مجتہد صاحب کو بہت حیرت ہوئی ـ « افق المبین کی کسی عبارت کا مطلب پوچھ لیا ـ علامه نے ایسی مدلل تقریر کی که « صاحب افق المبین » پر متعدد اعتراضات کر گئے ـ معزز مہمان نے اعتراضات کی جواب دہی کی کوشش کی تو ان کے لیے جان چھڑانا اور بھی مشکل ہو گیا ـ جب خوب عاجز کر لیا تو اپنے شبہات کے ایسے انداز میں جوابات دیے

که تمام همراهی علماء بھی انگشت بدندان ہو گئے ۔ آخر آپ نے یہ اظہار بھی کر دیا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز کا شاگرد اور کفش بردار ہوں اور اظہار معذرت کرتے ہوئے رخصت ہوئے » (٦) ایرانی عالم یہ سن کر بہت متاثر ہوا اور اندازہ کر لیا کہ اس خانقاہ کے بچوں کے علم و فضل کا جب یہ عالم ہے تو خود شیخ خانقاہ خدا جانے کیسا ہو گا ؟

» صاحب تذکرہ علمائے ہند « آپ کی ذہانت اور حسن بیان کے بارے میں رقمطراز ہیں :

» دوازدہ صد وشصت و چہار ہجری مولف ہیچمیدان بمقام لکھنؤ بخدمتش رسیدہ دید کہ درعین حقہ کشی وشطرنج بازی تلمیذی را سبق افق المبین میداد و مطالب کتاب رابہ متعلم باحسن بیانی دل نشین می نمود « (٧)

غرض کہ ۱۸۰۹ ء سے لے کر ۱۸۵۸ء تک مسلسل پچاس برس تک سلسلہ تدریس جاری رہا ۔ اس دوران میں فرائض ملازمت کی انجام دہی کے ساتھ تصنیف و تالیف میں بھی مشغول رہے لیکن یہ تمام امور آپ کے سلسلہ تدریس میں کبھی بھی حائل نہ ہوئے ۔

مولانا فضل امام خیرآبادی کے انتقال کے وقت علامہ صاحب کی عمر اٹھائیس ۲۸ برس تھی ۔ خاندانی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے لیے دھلی کے محکمہ ریذیڈنٹ کے سر رشتہ دار مقرر ہو گئے ۔ کچھ عرصے بعد آپ نے ریذیڈنسی کمشنری میں اپنی تبدیلی کروالی ۔ نازک مزاجی کے باعث جب یہ ملازمت بھی راس نہ آئی تو استعفیٰ پر ہی بات ختم ہوئی ۔ پھر نواب فیض محمد خان والئی جھجھر نے

پانچ سو روپے ماھوار پر نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنے پاس بلا لیا ۔ کچھ عرصہ جھجھر میں قیام پذیر رھنے کے بعد مہاراجہ الور کی دعوت پر الور چلے آئے ۔ بعد ازاں نواب ٹونک اور پھر ریاست رام پور میں ملازمت اختیار کر لی ، وھاں نواب یوسف علی خاں نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کئے ۔ آٹھ برس رام پور میں قیام کرنے کے بعد لکھنو کے صدر الصدور بنا دیے گئے ۔ جب ملک میں ابتری و انتشار کو فروکرنے کے لیے ایک کچہری " حضور تحصیل " کے نام سے بنائی گئی تو علامہ فضل حق صاحب نے زمانہ ملازمت میں تمام امور نہایت تندھی ، ایمانداری اور دیانت داری سے سرانجام دیے ۔

علامہ صاحب اپنے عہد کے متبحر عالم تھے ۔ ان کے ھم عصروں میں شاہ اسمعیل شہید ، حکیم مومن خاں مومن اور مرزا نوشہ (غالب) بہت مشہور ھیں ۔ شاہ اسمعیل شہید اور علامہ صاحب امکان النظیر و امتناع النظیر ، رفع الیدین اور آمین بالجہر کے موضوعات پر اکثر بحث مباحثے کرتے رھتے تھے ، جن میں آخرکار شاہ صاحب بازی لے جاتے تھے ۔ اگرچہ مومن خان مومن اور مرزا غالب ، علامہ کے بہت قریبی اور قدیم دوست تھے لیکن قربت اور دوستی پر حق بات کو ترجیح دیتے تھے ۔ جیسا کہ امیر الروایات میں ھے کہ " جب شاہ اسمعیل صاحب اور علامہ فضل حق صاحب میں تحریری مناظرہ ھوتا تو شاہ اسمعیل کا قاعدہ تھا کہ جب آپ کے پاس علامہ فضل حق صاحب کی تحریر پہنچتی تو فوراً جواب دیتے اور بعض اوقات تو ایسا ھوا کہ آپ تیر رھے ھیں اور تیرنے کی حالت میں آپ کے پاس تحریر پہنچتی ، آپ نے تیرتے ھی تیرتے اس

کا جواب لکھوا دیا ۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ مومن خاں اور مولوی فضل حق صاحب شطرنج کھیل رہے تھے اور مولوی فضل حق صاحب نے شاہ محمد اسمعیل کے پاس تحریر بھیجی تھی اتفاق سے ان کے شطرنج کھیلنے میں آدمی واپس آگیا ۔ مولوی فضل حق نے دریافت کیا کہ جواب لائے ۔ اس نے کہا کہ جواب نہیں دیا اور کہا فلاں وقت دوں گا چونکہ یہ بات شاہ اسمعیل صاحب کے طرز کے خلاف تھی ۔ اس لیے علامہ فضل حق صاحب نے سمجھا کہ اب شاہ اسمعیل عاجز آگئے اور یہ سمجھ کر کہا کہ بس دے لیا جواب ۔ یہ بات مومن خان مومن کو ناگوار گذری ۔ انھوں نے کہا کہ وہ بات ہی کیا ، جس کا جواب مولانا صاحب نہیں دے سکتے ۔ اس پر ان میں گفتگو شروع ہو گئی اور مومن خاں مناظرہ میں غالب رہے چونکہ گفتگو میں مزاج مکدر ہو گیا تھا ، اس لیے مومن خاں یہ شعر کہہ کر چل دیے ۔

" لے نام آرزو کا تو دل کو نکال دیں
مومن نہ ہو جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم (۸)

" جب علاّمہ فضل حق صاحب نے دیکھا کہ مومن خاں ناراض ہو گئے تو وہ ان کو منانے کے لیے گئے اور کچھ گفتگو ہو کر صلح ہو گئی " (۹)

بلند پایہ شاعر مرزا نوشہ بھی علامہ فضل حق کے قدیم دوست تھے ۔ علامہ صاحب نے مرزا صاحب کی توجہ شاعری کے ساتھ ساتھ مذہبی بحثوں کی طرف بھی مبذول کی اور مرزا صاحب سے

نہایت اصرار کے ساتھ فارسی میں وھابیوں کے خلاف مثنوی لکھنے کا وعدہ لیا ، جس میں ان کے بڑے بڑے اور مشھور عقیدت مندوں کی تردید اور خاص طور پر شاہ اسمعیل کو مخاطب کر کے امتناع النظیر خاتم النبین کے مسئلہ کو زیادہ شرح و بسط کے ساتھ بیان کرنے کی فرمائش کی ۔ علامہ صاحب ، شاہ اسمعیل کی مخالفت کا کوئی موقع ھاتھ سے نہ جانے دیتے تھے ۔ جب شاہ اسمعیل صاحب نے جامع مسجد دھلی کے تبرکات نبوی کے خلاف مسلمان قوم کو شرک و بدعت سے دور رھنے کے لیے وعظ و تذکیر کے ساتھ صحیح اسلامی توحید کا نقشہ پیش کیا تو دنیا طلب مولویوں کے گروہ میں آگ بھڑک اٹھی اور وہ سب آپ کی مخالفت پر آمادہ ھو گئے ۔ جب وہ لوگ آپ کے خلاف کچھ نہ کر سکے تو انھوں نے ڈیڑھ ھزار دستخطوں پر مبنی ایک درخواست علامہ فضل حق صاحب کی تائید کے ساتھ انگریز حاکم کے سامنے پیش کی ، جس میں شاہ اسمعیل ھی کامیاب رھے نتیجتاً شاہ صاحب نے جہاد باللسان کی بجائے جہاد باسیف کے وعظ کا آغاز کر دیا ۔

مولانا عبدالشاھد خان شروانی " باغی ھندوستان " میں علامہ فضل حق خیرآبادی کی شاہ اسمعیل شھید سے مخالفت کا ذکر "تقویۃ الایمان " کے حوالے سے اس طرح کرتے ھیں کہ اس کتاب میں افراط و غلو کے نتیجے میں مولانا کے جذبہ اصلاح اور وعظ و ارشاد کی قدر کرنے والے اور پرانے ساتھی بھی مولانا کی مخالفت کیے بغیر نہ رہ سکے ۔ اس موقع پر علامہ فضل حق صاحب بھی پہلوتہی اور خاموشی کو گناہ عظیم تصور کرتے ھوئے شاہ صاحب

کے مخالف لوگوں میں شامل ہو گئے ـ شروانی صاحب نے اس بات کا اقرار بھی کیا ھے کہ کتاب میں شرک خفی کو شرک جلی میں لکھ دینے کا احساس خود مصنف کو بھی تھا تو کیا شروانی صاحب کا مقصد یہاں علامہ صاحب کی ذات گرامی کو اس بات سے بری کرنا ھے کہ انھوں نے شاہ اسمعیل صاحب کی مخالفت صرف اسی موقع پر ھی کی تھی حالانکہ جب وہ انگریز ریذیڈنٹ کے محکمہ میں سررشتہ داری کے عہدے پر فائز تھے تو انھوں نے بلاوجہ ھی آپ کی مخالفت کی تھی ـ عمر کے آخری ایام میں اس بات کا اعتراف ، کہ تمام عمر شاہ اسمعیل صاحب کی مخالفت بغیر کسی معقول وجہ کے کرتے رھے ـ ,, امیر الروایات ,, میں انھوں نے خود کہا ھے ـ مفتی عنایت احمد صاحب علامہ فضل حق صاحب کے ساتھ رنگون میں ایک ھی جگہ مقید تھے ـ مفتی عنایت احمد نے رھا ھونے کے بعد ھندوستان آ کر بیان فرمایا کہ ,, مولوی فضل حق صاحب بہت نادم تھے ، روتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھ سے سخت غلطی ھوئی کہ میں نے مولوی اسمعیل صاحب کی مخالفت کی ـ وہ بےشک حق پر تھے اور میں غلطی پر تھا ـ مجھ پر جو یہ مصیبت پڑی ھے ، یہ میرے انھی اعمال کی سزا ھے ـ میری مولوی اسمعیل سے دوستی تھی اور میں بھی ان کے ساتھ شہید ھوتا مگر کیا کیجیئے ـ بدایوں والوں نے ابھار کر ان سے بھڑوا دیا اور میں علم کے غرہ میں حق کو باطل کرنے پر تل گیا ـ تم لوگ گواہ رھنا کہ میں اپنے خیالات باطلہ سے توبہ کرتا ھوں اور اگر میں رھا ھو گیا تو اپنی توبہ شائع کروں گا ,, (١٠)

علامہ فضل حق اگرچہ خیرآبادی میں پیدا ھوئے لیکن انھوں نے

اپنی عمر کا بیشتر حصہ دھلی میں گذارا ۔ ۱۸۵۷ سے پہلے چند سال لکھنؤ میں صدر الصدور کے عہدے پر فائز رہے ۔ وھاں کے حالات دھلی سے بھی ابتر تھے ۔ اس دوران میں مسجد ہنومان گڑھی (متصل اجودھیا) کا خونی واقعہ پیش آیا ۔ مسلمانوں کو وھاں اذان دینے اور نماز پڑھنے سے روک دیا گیا ۔ اگر کوئی مسلمان نماز کا وقت ہونے پر اذان دینے کے لیے چلا جاتا تو اسے لہولہان کر کے نکال دیا جاتا ۔ آخر کار ذیقعد ۱۲۷۱ ھ جولائی ۱۸۵۵ ء میں شاہ غلام حسین اور مولوی محمد صالح مجاھدین کے ایک گروہ کے ساتھ کفار کا مقابلہ کرنے کے لئے ہنومان گڑھی پہنچے ۔ کفار سے زبردست مقابلہ ھوا نتیجہ تمام مجاھدین مسجد کے اندر ذبح کر دیے گئے کفار جوتے پہن کر مسجد میں گھس گئے ، سنکھ بجائے گئے اور (نعوذ باللہ) قرآن کے نسخے پرزہ پرزہ کر کے پاؤں تلے روندے گئے ۔ اس سنگین خونی حادثے کی اطلاع مولانا شاہ امیر علی ساکن امیٹھی کو ملی تو انھوں نے جوشیلی تقریروں کے ذریعے مسلمانوں کو جہاد کرنے پر آمادہ کر لیا ۔ کفار کے خلاف جہاد میں حصہ لینے والوں کے امیر ، امیر علی شاہ تھے ۔ یہ مسلمان مجاھدین بھی سرکاری فوج کے ھاتھوں ختم ہوئے ۔ اس اثناء میں علامہ فضل حق خیرآبادی ، مفتی سعداللہ رام پوری اور مولوی محمد یوسف فرنگی محل نے مولوی امیر علی اور جہاد ہنومان گڑھی کے خلاف فتویٰ دیا ۔ مگر علامہ فضل حق خیرآبادی نے ۱۸۵۷ ء کی جنگ آزادی میں مردانہ وار حصہ لیتے ہوئے اس واقع کی پوری پوری تلافی کر دی ۔

ہندوستان پر انگریز عرصے سے قابض تھے ۔ مولانا فضل حق اپنے

وطن عزیز کو غلامی کی زنجیروں میں گرفتار دیکھ کر پریشان اور غمزدہ ہو جاتے تھے ۔ علامہ صاحب کے حساس دل اور دور رس نگاہوں نے ہندوستان اور ہندوستانیوں کے خلاف اس جذبہ نفرت و حقارت کا بخوبی جائزہ لے لیا تھا جو سامراجی حکمران انگلستان سے روانگی کے وقت لے کر چلتے تھے ۔ کم و بیش ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے پورے جاہ و جلال اور عظمت و شوکت سے ہندوستان پر حکومت کی تھی اب انگریزوں کی آمد سے وہ زوال اور انحطاط کا شکار ہو گئے تھے ۔ چنانچہ علامہ صاحب مسلمانوں کو انگریزں کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے ہر منظم اور باقاعدہ تحریک میں حصہ لینے کے خواهش مند رهتے تھے ۔ آزادی وطن کی تحریک میں ہر ریاست کے والی کو ، خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان ، شامل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ۔ ۱۸۵۷ ء کے ہنگامے کے وقت علامہ صاحب الور میں مقیم تھے ۔ اگست ۱۸۵۷ کو علامہ الور سے دهلی پہنچے ۔ آگ اور دھوئیں کے بادل اٹھنے شروع ہو چکے تھے ۔ قتل و غارت ، فساد اور لوٹ مار معمولی باتیں بن گئی تھیں ۔ مسلمانوں کی دو جماعتیں ، جن میں ایک جماعت مجاهدین کی اور دوسری جنرل بخت خان کے ماتحت روهیلوں کی تھی ، دشمنوں سے لڑ رہی تھیں ۔ علامہ فضل حق نے جنرل بخت سے ملاقات کی اور باهمی مشورے سے جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد علماء کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فتویٰ پیش کیا ، جس پر مفتی صدر الدین خاں آزردہ صدر الصدور دهلی ، مولوی عبدالقادر ، قاضی فیض اللہ دهلوی ، مولانا فیض احمد بدایونی ،

ڈاکٹر مولوی وزیر خان اکبر آبادی اور سید مبارک شاہ رام پوری نے دستخط کیے ۔ اس فتوے سے پورے مـلک میں آگ لگ گئی ۔ کمپنی کی فوج نے ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو شہر دھلی پر حملہ کر دیا اور ۱۹ سـتمبر کو پورے دھلی شہر پر انگریزوں کا قبضہ ھـو گیا ۔ جنرل بخت خاں اپنی فوج اور توپ خانہ کے ساتھ لکھنو روانہ ھو گئے ۔ اس دوران میں بےشمار لوگوں کو گولیوں سے اڑا دیا گیا ۔ کئی کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا گیا اور متعدد لوگ دھلی چھوڑ کر غریب الوطنی کی زندگی بسر کـرنے لگے ۔ علامہ فضل حق بھی فتوے کی بنـا پر باغی قرار دیے گئے ۔ قیـد ھونے سے پہلے اھل و عیال کے ساتھ کچھ مدت چھپے رھے ۔ بالآخر جب ملکہ وکٹوریہ نے عفو عام کا اعـلان کیا تو علامہ صاحب اپنے وطن خیرآباد پہنچ گئے ۔ اپنے رسـالہ الثورۃ الھندیہ میں فرماتے ھیں :

„ غافلاعن انہ لا ایمان لمـن لیس لہ ایمان ، وانہ یمین بعد الـیمین ، من لا یـتدین بدین ولا یخاف یوم الدین „ (۱۱)

خیرآباد میں چند روز تو نہایت سکون و اطمینان سے گذر گئے لیکن دو آدمیوں کے مخبری کرنے پر آپ کو آپ کے گھر سے گرفتار کر کے مقدمے کے لیے لکھنؤ بھیج دیا گیا اور ان پر سلطنت مغلیہ سے وفاداری یا فتوائے جہاد پر جرم بغاوت میں مقدمہ چلا ۔

„ مولانا موصوف کے فیصلہ کے لیے جیوری بیٹھی ۔ ایک اسیسر نے واقعات سن کر بالکل چھوڑنے کا فیصلہ کیا ، سرکاری وکیـل کے مقابل خود مولانا بحث کرتے تھے بلکہ لطف یہ تھا کہ چند الزام اپنے اوپر خـود قائم کیے اور پھر خود ھی مثل تار عنکبوت عقلی و قانونی

ادله سے توڑ دیے ۔ جج یه رنگ دیکھ کر پریشان تھا اور ان سے همدردی بھی تھی ۔ جج نے صدر الصدوری کے عہد میں مولانا سے کچھ عرصه کام بھی سیکھا تھا ۔ وہ مولانا کی عظمت اور تبحر سے بھی واقف تھا ۔ وہ دل سے چاھتا تھا که مولانا بری ہو جائیں ۔ کرے تو کیا کرے ۔ ظاھر یه ہو رھا تھا که مولانا بری ہو جائیں گے ۔ سرکاری وکیل بھی لاجواب تھے ۔ » (۱۲)

دوسرا دن آخری دن تھا ۔ مخبر بھی عدالت میں موجود تھا ۔ اس نے عدالت میں آنے کے خوف سے اور پھر علامه کی پروقار اور بارعب شخصیت سے متاثر ہو کر یه کہه دیا که یه وہ فضل حق نہیں لیکن علامه صاحب نے اس کے بیان کی تصدیق و توثیق کرنے سے انکار کرتے ہوئے اس کے پہلے قول کی تائید کی اور فرمایا .

« پہلے اس گواہ نے سچ کہا تھا اور رپورٹ بالکل صحیح لکھوائی تھی ۔ اب عدالت میں میری صورت دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور جھوٹ بولا ۔ وہ فتویٰ صحیح ھے ، میرا لکھا ہوا ھے اور آج اس وقت بھی میری وھی رائے ھے » (۱۳)

علامه صاحب کے اس اقرار پر انھیں حبس دوام به عبور دریائے شور کا حکم سنا دیا گیا ۔ بعد ازاں جزیرہ انڈمان روانه کر دیا گیا ۔ آپ نے اپنے علم و فضل اور تصنیف و تالیف کی بدولت اس بےآباد جزیرہ کو بھی دارالعلوم بنا لیا ۔

علامه صاحب نے اپنی پوری زندگی امیرانه ٹھاٹھ سے گذاری تھی اور اب قید میں انھیں غیرمعمولی مصائب اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا ۔ یہاں آپ کو بارکوں کی صفائی کرنے اور کوڑا کرکٹ جمع

کر کے پھینکنے پر مامور کیا گیا ۔ فرماتے ھیں :

„ میرے دشمن میری ایذارسانی میں کوشاں ، اور میری ھلاکت کے درپے رھتے ھیں ۔ میرے دوست میرے مرض کے مداوا سے لاچار ھیں ۔ دشمنوں کے دل میں میری طرف سے بغض و کینہ مذھبی عقائد کی طرح راسخ ھو گیا ھے ۔ ان کے پلید سینے کینہ و عداوت کے دفینے بن گئے ھیں ۔ ان ظاھری اسباب پر نظر کرتے ھوئے میں اپنی نجات سے مایوس اور اپنی امیدوں کو منقطع پاتا ھوں „ (۱۳)

انڈمان کی قید کے دوران آپ نے انگریز سپرنٹنڈنٹ کی فارسی کی کتاب ھیئت کی عبارت درست کر کے دی ، جس پر وہ بہت متاثر ھوا اور اس نے گورنمنٹ سے آپ کی رھائی کی سفارش کی ۔ علامہ فضل حق کے صاحبزادے مولوی شمس الحق ، خواجہ غلام غوث بےخبر اور میر منشی لیفٹینٹ مغربی و شمالی صوبہ اودھ آپ کی رھائی کے لیے انتھک کوششوں میں مصروف تھے ۔ رھائی کے احکام ملتے ھی مولوی شمس الحق انڈمان روانہ ھو گئے ۔ جہاز سے اتر کر شہر میں گئے تو ایک بہت بڑے مجمع کے ساتھ ایک جنازہ بھی دکھائی دیا ۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ یہ مولانا فضل حق خیرآبادی کا جنازہ ھے ۔ علامہ صاحب ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ ۔ ۱۹ اگست ۱۸۶۱ء کو اس جہان فانی سے کوچ کر گئے (انّا للہ و انّا الیہ راجعون) مولوی شمس الحق بھی مایوسی کے عالم میں تدفین میں شریک ھوئے اور ناکام وطن واپس لوٹے ۔

علامہ فضل حق خیرآبادی علم معقول کے امام و مجتہد اور

عربی ادب کے بہت بڑے ماہر تھے ۔ علمائے ہند میں سے عربی نثر اور نظم دونوں میں کوئی آپ کا ثانی نہ تھا ۔ شاعری میں عرب کے شعرائے متاُخرین پر سبقت لے گئے تھے ۔ عروض و علم شعر میں اعلی مقام رکھنے کے باعث چار ہزار سے زیادہ اشعار کہے

گویا آپ منطق و فلسفہ کے امام ہونے کے ساتھ ساتھ عربی ادب کے بلند پایہ ادیب اور شاعر بھی تھے ۔ اس سلسلے میں گل حسن شاہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ „ علامہ صاحب نے ایک قصیدہ عربی زبان میں امرء القیس کے ایک قصیدہ کی طرز پر لکھا اور مولانا شاہ عبدالعزیز دھلوی کی خدمت میں سنانے کی غرض سے لے گئے ۔ شاہ صاحب نے ایک مقام پر اعتراض کیا ۔ اسکے جواب میں انھوں نے بیس شعر متقدمین کے پڑھ دیے ۔ مولوی فضل امام بھی اس وقت وھاں موجود تھے ۔ وہ فرمانے لگے کہ بس حد ادب ۔ علامہ نے جواب دیا کہ حضرت یہ کوئی علم تفسیر و حدیث تو ھے نہیں ، فن شاعری ھے ۔ اس میں بےادبی کی کیا بات ھے ؟ شاہ صاحب نے فرمایا کہ برخوردار تم سچ کہتے ہو ، مجھ کو سہو ہوا تھا „ (١٥)

دھلی میں علامہ فضل حق کے ھاں روزانہ صاحب علم و فضل اور باکمال لوگوں کی نشست رھتی تھی ۔ دھلی میں دو مقام ایسے تھے ، جہاں پر علماء و شعراء کا اجتماع رھتا تھا ۔ ایک علامہ کے ھاں اور دوسرا مفتی صدر الدین آزردہ دھلوی کے دولت کدے پر ۔ علامہ فضل حق خیرآبادی کے علمی دربار میں آٹھویں دن شعرائے دھلی کا اجتماع ہوتا تھا ۔ „ بڑے بڑے کہنہ مشق شاعر ، مولوی امام

بخـــش صہبائی ، علامہ عبداللہ خان علوی ، حکیم مومن خان مومن ، مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی ، مرزا اسد اللہ خان غالب ، نواب ضیاء الدین خاں نیر ، شاہ نصیر الدین نصیر ، شیخ محمد ابراہیم ذوق ، حکیم آغا خان عیش ، حافظ عبدالرحمن خان احسان ، میر حسین تسکین اور خدا جانے کتنے سخن واران باکمال کا جمگھٹا تھا ۔ جب یہ لوگ ایک جگہ جمع ہوئے ہوں گے تو آســمان کو بھی زمین پر رشک آتا ہو گا " (١٦)

علامہ صاحب نے بچپن سے جوانی میں قدم رکھتے ہی اپنے آبائی وطن خیرآباد اور اقامتی وطن دہلی میں علمی و ادبی مجــالس اور شعر و شاعری کی صحبتوں میں رہتے ہوئے فنون ادبیہ میں مکمل مہارت حاصل کر لی تھی ۔ سخن فہمی اور نکتہ پروری میں بلند مقــام رکھتے تھے ۔ مولانا محمد حسین آزاد نے دیوان اردو کے انتخاب کا سہــرا مولانا خیرآبادی اور مرزا خاں کے سر باندھا ہے ۔ لکھتے ہیں :

" سن رسیدہ اور معتبر لوگوں سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں ان کا دیوان بہت بڑا تھا ، یہ منتخب ہے ۔ مولـوی فضـل حق صاحب خیرآبادی فاضل بےعدیل تھے ۔ ایک زمانہ میں دہلی کی عدالت ضلع میں سررشتہ دار تھے ۔ اسی عہد میں مرزا خان عرف مرزا خانی خان صاحب کوتوال شہر ہے ۔ وہ مرزا قتیل کے شاگرد تھے ۔ نظم و نثر فــارسی اچھـی لکھتے تھے غرضیکہ یہ دونوں باکمال مرزا صاحب کے دلی دوست تھے ۔ انھوں نے اکثر غزلوں کو سنا اور دیوان کو دیکھا تو مرزا صاحب

کو سمجھایا کہ یہ اشعار عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں گے مرزا نے کہا ، اتنا کچھ کہہ چکا ۔ اب تدارک کیا ہو سکتا ہے ؟ انہوں نے کہا ، خیر جو ہوا سو ہوا ۔ انتخاب کرو اور مشکل شعر نکال ڈالو ۔ مرزا صاحب نے دیوان حوالے کر دیا ۔ ۔ دونوں صاحبوں نے دیکھ کر انتخاب کیا ۔ وہ یہی دیوان ہے جو آج ہم عینک کی طرح آنکھوں سے لگائے پھرتے ہیں (۷)

علامہ صاحب کا علمی کمال نہ صرف اردو ادب میں جلوہ گر ہے بلکہ آپ نے ع بی زبان میں حضور پاک کی مدح اور کفار کی ھجو میں قصائد لکھے اور مرثیوں میں بھی طبع آزمائی کی ۔ اس کے ساتھ ساتھ فارسی زبان میں بھی یکتائے روزگار تھے ۔ اور فارسی شاعری میں انہوں نے اپنا تخلص » فرقتی « رکھا ۔ فصاحت و بلاغت اور روانی سلاست میں بیسیوں خطوط ، مضامین اور مقالات لکھے گویا آپ تمام علوم میں فاضل کامل اور متبحر عالم تھے ۔ سرسید احمد خان علامہ صاحب کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں ۔

" مستجمع کمالات صوری و معنوی جامع فضائل ظاھری و باطنی بنا فضل و افضال بہار آرائے چمنستان کمال . . . . . مبطل باطل و محقق حق ، مولانا محمد فضل حق جمیع علوم و فنون میں یکتائے روزگار ھیں اور منطق و حکمت کی تو گویا انہی کے فکر عالی نے بنا ڈالی ہے ۔ علمائے بعد میں فضلائے دھر کو کیا طاقت ہے کہ اس سرگروہ اھل کمال کے حضور میں بساط مناظرہ آراستہ کر سکیں ۔ بار بار دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو یگانہ فن سمجھتے تھے جب ان کی زبان

سے ایک حرف سنا ، دعوی کمال کو فراموش کر کے نسبت شاگردی کو اپنا فخر سمجھے ۔ بایں ھمه کمالات علم و ادب میں ایسا علم سرفرازی بلند کیا ھے که فصاحت کے واسطے ان کی عبارت شسته محضر عروج معارج ھے اور بلاغت کے واسطے ان کی طبع رسادست آویز بلندی مدارج ھے ۔ سحبان کو ان کی فصاحت سے سرمایه خوش بیانی اور امرؤالقیس کو ان کے افکار بلند سے دست گاہ عروج معانی الفاظ پاکیزہ ان کے رشک گوھر خوش آب اور معانی رنگین ان کے غیرت لعل ناب ھیں » (۱۸)

گویا مولانا ایک فخر روزگار کامل فاضل اور فلسفی تھے ۔ آپ کی جودت طبع رسائی ، ذھنی بلند خیالی اور دقیق النظری بےنظیر تھی ۔ « ایک دفعه مولوی اکرام اللہ شھابی نے شمس العلماء مولانا عبدالحق سے پوچھا ۔ بھائی صاحب دنیا میں حکیم کا اطلاق کن کن پر ھے ۔ مولانا کھنے لگے ، بھیا ساڑھے تین حکیم دنیا میں ھیں ، ایک معلم اول (ارسطو) دوسرے معلم ثانی (ابو نصر فارابی) تیسرے والد ماجد مولانا فضل حق خیرآبادی اور نصف بندہ » (۱۹)

تصانیف :

علامه فضل حق خیرآبادی نے اپنی عمر کے پچاس برس درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں بسر کیے ۔ اس دوران میں انھوں نے فرائض ملازمت کو بڑی تندھی اور ایمانداری سے سرانجام دیا ۔ لیکن یه گونا گوں مصروفیات درس و تدریس اور معرکۃ الآراء تصنیفات کے سلسله میں کبھی بھی حائل نه ھوئیں ۔ اگر ایک طرف آپ نے شاھانه

خلعت میں ملبوس ہو کر مختلف زبانوں میں کتب و رسائل کی تالیف کی تو دوسری طرف ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں خوفناک مصائب اور الم ناک حالات میں جزیرہ انڈمان میں محبوس فقیرانہ لباس میں ملبوس ہو کر بھی اپنے سلسلہ تصنیف کو نہ چھوڑا ۔ آپ کی تمام کتب میں ادبیت کی چاشنی اور فصاحت و بلاغت کی بلندی نمایاں ہے ۔ " باغی ہندوستان " میں آپ کی کتب کی حسب ذیل فہرست موجود ہے ۔

" الجنس العالی شرح جواہر العالی ، حاشیہ افق المبین ، حاشیہ تلخیص الشفاء ، حاشیہ شرح مسلم قاضی مبارک ، اس شرح کے معرکۃ الآراء مباحث کی فہرست " الثورۃ الہندیہ " میں موجود ہے ۔ اس کتاب کے بارے میں جزیرہ انڈمان میں بعض اسیر فرنگ علماء نے دریافت کیا کہ ہندوستان میں کیا یادگار چھوڑی ہے فرمایا دو یادگاریں چھوڑ کر آیا ہوں ۔ ایک حاشیہ شرح مسلم قاضی مبارک گوپاموی اور دوسری یادگار برخوردار عبدالحق " (۲۰)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ صاحب اپنی اس تصنیف پر کس قدر فخر کرتے تھے ۔

الہدیہ السعیدیۃ فی الحکمۃ الطبیعۃ : یہ فلسفہ اور حکمت کے موضوع پر ایک عمدہ اور مستند تصنیف ہے ۔ اس کتاب میں زمین کی حرکت پر شرح و بسط کے ساتھ براہین قائم کرنے کے بعد موجودہ سائنس کی تحقیقات کے غلط ثابت کر کے مخالفین کے دلائل کو مسترد کر دیا ہے ۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور تین فنون پر مشتمل ہے اور آج تک ہند اور بیرون ہند میں داخل نصاب ہے ۔ اس کتاب کا

نام والئی رام پور نواب محمد سعید خان کے نام پر رکھا گیا اور اسکی تصنیف کا سبب بھی نواب صاحب ھی تھے ۔ اسکے علاوہ موصوف نے درج ذیل کتابیں تصنیف کیں ۔

رسالہ تشکیک ماھیات ، رسالہ کلی طبعی ، رسالہ علم و معلوم ، روض المجود فی تحقیق حقیقۃ الوجود ، رسالۃ قاطیغوریاس ، رسالہ تحقیق حقیقۃ الاجسام ، رسالہ الثورۃ الھندیہ ، قصائد فتنۃ الھند ۔

قصائد فتنۃ الھند ، ۱۸۵۷ ء کی جنگ آزادی کے درد انگیز تاریخی واقعات ، المناک حادثات ، مجاھدین کی جلاوطنی ، حبس دوام بہ عبور دریائے شور ، مردوں ، عورتوں اور بچوں کا قتل عام اور مسلط حکومت کے مظالم کی دل ھلا دینے والی خونی داستان ھے ، جسے علامہ فضل حق صاحب نے جزیرہ انڈمان میں حالت مجبوسی میں مختلف کاغذکے پرزوں اور کپڑوں پر کوئلہ وغیرہ سے لکھا تھا اور جناب مفتی عنایت احمد کاکوروی (م ۱۲۷۷ ھ) کی رھائی پر ان کے ھاتھ اپنے خلف الرشید مولانا عبدالحق خیرآبادی کے پاس بھیج دیا تھا ۔ اس رسالہ میں " قصائد فتنۃ الھند " کو بڑی محنت و کاوش سے مرتب کیا تھا ۔ ان دو عربی قصائد (ھمزیۃ اور دالیہ) میں اس وقت کے ھولناک مصائب اور نصاریٰ کے خوفناک عزائم کا ذکر کرتے ہوئے علمائے مجاھدین کے اعلان جہاد کو وقت کی اھمیت کے مطابق اشد ضروری قرار دیا ھے ۔ گویا الثورۃ الھندیہ اور قصائد فتنۃ الھند آپ کے علمی و ادبی شاھکار ھیں ۔

مجموعہ القصائد ، امتناع النظیر ، تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ

مندرجه بالا تصنیفات میں چار پانچ کے علاوہ باقی سب غیر مطبوعه هیں - " الثورة الهندیه " میں شروانی صاحب نے ان سوله تصنیفات کا ذکر کیا هے جب که تاریخ ادبیات عربی جلد دوم میں علامه صاحب کی ۲۳ کتابوں کا ذکر کیا گیا هے -

علامه فضل حق خیرآبادی نے دو شادیاں کی تهیں - پہلی بیوی کے بطن سے تین صاحبزادیاں اور ایک صاحبزاده یعنی شمس العلماء مولانا عبدالحق اور دوسری اهلیه سے دو صاحبزادے ، مولوی شمس الحق اور مولوی علاء الحق تهے -

حـــواله جات

۱ - عبدالشاهد خان شروانی ، باغی هندوستان - ص ، ۱۲ - اخبار مدینه بجنور طبع اول ۱۹۴۷ ء .
۲ - مولوی رحمان علی ، تذکره علمائے هند - ص ، ۱۶۴ - ایجوکیشنل پریس کراچی - جولائی ۱۹۶۷ء
۳ - اشرف علی تهانوی ، امیر الروایات - ص ، ۱۰۵ - کتب خانه امداد الغربا سهارن پـــور -
۴ - ایضـــاً - ص ۳۸ ، ۳۹ -
۵ - مولانا گل حسن شاه پانی پتی ، تذکره غوثیه - ص ۱۳۶ ، ۱۳۷ - علمی پرنٹنگ پریس لاهور . ۱۹۵۵ ء .
۶ - عبدالشاهد خان شروانی ، باغی هندوستان - ص ۳۳ ، ۳۴
۷ - مولوی رحمان علی ، تذکره علمائے هند - ص ۱۶۴ ، ۱۶۵
۸ - آرزو ، علامه فضل حق صاحب کا تخلص هے -
۹ - اشرف علی تهانوی ، امیر الروایات - ص ۱۵۹ ، ۱۶۰
۱۰ - اشرف علی تهانوی ، امیر الروایات - ص ، ۱۶۱
۱۱ - عبدالشاهد خان شروانی ، باغی هندوستان - ص ۳۱۶
۱۲ - ایضـــاً ص ۱۶۸

۱۳ ـ ایضــاً . ـ ص ـ ۱۷۰

۱۴ ـ ایضاً ص ـ ۳۲۷ ، ۳۲۸

۱۵ ـ مولانا گل حسن شاہ پانی پتی ، تذکرہ غوثیہ ـ ص ، ۱۳۷

۱٦ ـ سید عبدالحئی لکھنوی ، گل رعنا ـ ص ، ۳۳۰ ـ طبع شدہ لکھنو ۱٦ ربیع الثانی ـ ۱۳۴۰ ھـ

۱۷ ـ محمد حسین آزاد ، آب حیات ـ ص ٦۴۵ ، ٦۴۷ ـ سرفراز پریس لکھنو ـ

۱۸ ـ سرسید احمد خان ، آثار الصنادید ـ ص ، ۱۱ ـ سید الاخبار ۱۲٦۳ ھـ ـ ۱۸۴۷ ء

۱۹ ـ منشی انتظام اللہ شہابی ، علامہ فضل حق خیرآبادی اور ان کے سیاسی کارنامے ـ ص ، ۲۷ ـ دائرۃ المصنفین ـ کراچی ۱۹۵۷ ء

۲۰ ـ عبدالشاہد خان شروانی ، باغی ہندوستان ـ ص ، ۱۰۰